ڈاکٹر محمود الحسن عارف☆

سیرت نگاری کے ادبی پہلو

یوں دنیا نام ہی انقلاب اور تبدیلیوں کا ہے، سورج کی روزمرہ گردش سے جنم لینے والے لیل و نہار اس طرح کا ایک انقلاب ہیں۔ سورج کی گرمی سے دھرتی پر جو موسمیاتی تبدیلیاں آتی ہیں۔ کبھی خزاں، کبھی بہار، کبھی گرمی اور کبھی سردی، یہ بھی انقلاب ہی کی صورتیں ہیں۔ پھر حضرت انسان کی اپنی ذات بھی انقلاب اور تبدیلیوں کی ایک مستقل آماجگاہ ہے۔ اس پر آنے والی حالتیں عالم شباب اور عالم پیری بھی۔ زمانے کے انقلابات کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ سیاسی میدان میں بھی، شاید روز ازل سے ہی اکھاڑ پچھاڑ جاری رہتی ہے۔ اسے بھی یا لوگ انقلاب ہی کا کرشمہ قرار دیتے ہیں، لیکن یہ انقلاب دنیا میں اتنی مرتبہ آتے، آرہے ہیں اور تا قیامت آتے رہیں گے کہ ان کو انقلاب قرار دینا لفظ انقلاب کے معنوی استہزاء سے کم نہیں ہے۔

لیکن دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا ہے جس کی مثال نہ تو سابقہ انسانی اور عالمی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ ہی اس کے بعد کی تاریخ میں۔ یہ محیر العقول، یہ عہد ساز اور یہ انقلاب آفریں واقعہ سرور کون و مکان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اور دنیا کی رشد و ہدایت کے لئے آپ کی بعثت و رسالت کا ہے جس نے عالم کی تاریخ کو ایک نیا آہنگ اور نیا انداز عطا کیا۔ انسانوں کو جینے کا ایک نیا سلیقہ سکھایا۔ اور جو خود راہ پر نہ تھے انہیں دوسروں کے لئے ہادی اور رہبر بنا دیا اور قیصر و کسریٰ کے ایوان ان کے جوتوں کی

☆ صدر شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

آوازوں سے لرزنے لگے۔ دنیا نے امن وسلامتی کا بھولا ہوا سبق ایک بار پھر یاد کیا اور کیا صحراء اور کیا دریا سب ان کی آوازوں سے گونجنے لگے۔ اور یوں دنیا نے ایک نئے انداز اور منفرد اسلوب سے اپنا سفر زندگی شروع کیا جس کی نورانی کرنوں سے زمانہ اب تک منور اور اس کے در و دیوار اب تک معطر ہیں:

یا رب صل وسلم دائمًا ابداً

علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

دنیا میں قدیم زمانے سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ جب بھی کوئی انوکھا واقعہ رونما ہوتا ہے یا کوئی بڑا انسان جنم لیتا ہے تو اس زمانے کے اور اس کے بعد آنے والے لوگ اس واقعے کو اپنی بات چیت اور اپنی تقریر کا موضوع بنا لیتے ہیں۔ وہ اس کی اچھی اچھی باتیں دوسروں کو سناتے اور اس کے عجیب و غریب واقعات کے تذکروں سے اپنی محفلوں کو گرماتے ہیں۔ پھر صحرائے حجاز کے ایک مقدس شہر سے جنم لینے والی ہستی تو آئندہ قوموں اور آئندہ نسلوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور حامل خلق عظیم تھی، اس کی اتباع میں نجات و کامرانی اور اس کی مخالفت و نافرمانی میں تباہی و ہلاکت رکھ دی گئی تھی، اس لئے جب اس عظیم ہستی کی بعثت آمد اور صورت میں دنیا پر احسان عظیم ہوا تو اس حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں نے آپ ﷺ کی محبوب عادتوں اور محبوب باتوں کو اپنی گفتگو اور اپنی تقریر و تحریر کا موضوع بنا لیا۔ یوں دنیا میں نعت گوئی اور سیرت نگاری کی ابتداء ہوئی جس نے آنے والے وقتوں میں دنیا کے بہترین ادیبوں اور فصیح ترین خطیبوں کو اس عنوان پر تحریر و تقریر کا موقع عطا کر کے انہیں دنیوی اور اخروی سعادتوں سے ہم کنار کیا، اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ دنیا میں نعت گوئی اور سیرت نگاری کی تاریخ اسلام کی تاریخ ہی کی طرح قدیم ہے۔(۱)

ابتدائی زمانے میں تبلیغ اسلام کے لئے سیرت طیبہ ﷺ ہی کو بطور دلیل اور برہان قاطع پیش کیا جاتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اعلان نبوت فرمایا، تو آپ ﷺ نے اپنی قوم کے سامنے صرف اپنی سیرت اور اپنے کردار کو پیش کیا، جسے سن کر تمام لوگوں کی گردنیں عقیدت و احترام سے جھک گئیں۔ ان کی نگاہوں کے سامنے وہ ہستی کوہ صفا پر کھڑی تھی جن کا ماضی امانت اور صداقت کا آئینہ دار تھا، اس لئے ان سب نے متفقہ طور پر گواہی دی:

ماجرّبنا علیک الاّ صدقاً

ہم نے آپ ﷺ سے کبھی سچ کے سوا کچھ اور نہیں سنا۔(۲)

سیرت و کردار کی دلیل پیش کرنے کے بعد پھر آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا اور لوگوں کو احکام اسلام کی تعلیم دی۔(۳) سیرت طیبہ کا یہ فیضان اس کے بعد بھی جاری رہا جو لوگ اسلام قبول کرتے وہ جہاں دوسرے لوگوں کو قرآن مجید پڑھ کر سناتے، وہ وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا حوالہ ضرور دیتے۔ بلکہ اکثر لوگ پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور اس کے بعد قرآن مجید اور احکام اسلام سنتے یا ان کا مطالعہ کرتے ۔حضرت ابوذر الغفاریؓ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سنا تو انہوں نے اپنے بھائی کو تفتیش احوال اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا۔(۴) حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی کے لئے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ ﷺ کی باتیں قبول اسلام کا ذریعہ بنیں۔(۵) الغرض سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ اور اس کی اہمیت روز اول سے واضح اور ظاہر ہے۔

پھر قرآن حکیم میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف حالات اور آپ ﷺ کی مختلف کیفیتوں کو موضوع سخن بنایا گیا۔(۶) ابولہب نے شان اقدس میں گستاخی کی تو اس پر سورۂ ابی لہب اتری۔(۷) ایک احمق نے ہادی عالم ﷺ کو "ابتر" ہونے کا طعنہ دیا تو سورۃ الکوثر نازل ہوگئی۔(۸) الغرض قرآن حکیم کے تمام پاروں اور قریب قریب اکثر سورتوں میں ہمیں سیرت طیبہ کے کسی نہ کسی واقعے کی طرف اشارہ ضرور نظر آتا ہے۔

اس طرح اگر دیکھا جائے تو اسلام کے ابتدائی زمانے میں ہی فن سیرت کا ارتقا شروع ہوگیا تھا اور اس میں آئے دن کوئی نہ کوئی اضافہ یا پیش رفت دیکھنے میں آتی تھی تاہم ابتدائی زمانے میں صحابہ کرامؓ نے سیرت طیبہ پر جو مواد فراہم کیا اس کا مشترک نام "حدیث" تھا اس لئے کہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کے مجموعے کا نام ہے۔ انہی باتوں کو سیرت کا نام دیا جاتا ہے قرآن وحدیث کے دونوں ذرائع وحی الٰہی پر مبنی تصور ہوتے ہیں، اس طرح گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن سیرت کی تاسیس اور اس کا ارتقا وحی الٰہی کے سائے میں عمل میں آیا جس نے مرور ایام سے اپنی امتیازی شکل اختیار کرلی اور جو کہ فی الوقت دنیا کے سب سے زیادہ مقبول اور سب سے باثروت علوم میں سے ایک ہے۔

۲۔ ادب: معنی و مفہوم

اس تمہید کے بعد اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور سیرت نگاری کے ادبی پہلو پر نظر ڈالتے ہیں۔ ''ادب'' ایک کثیر المعانی لفظ ہے، تاہم اس کا استعمال سب سے زیادہ لٹریچر پر ہوتا ہے۔

نامور امام لغت ابن منظور الافریقی نے اس کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ادب سے مراد وہ علم ہے جس سے ادیب تربیت پاتا ہے۔ اُسے اس لئے ادب کہتے ہیں کہ لوگوں کو اچھے کاموں کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برے کاموں سے روکتا ہے۔ (۹)

اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ عربی زبان کا لفظ ''ادب'' لفظ لٹریچر (Literature) کے مقابلے میں خاص ہے، اس لئے کہ لٹریچر میں اچھا اور برا، صحیح اور سقیم، صحت مند اور بیمار ہر قسم کا ادب شامل تصور ہوتا ہے، جبکہ عربی زبان کے لفظ ''ادب'' کے تحت صرف اچھا، صحت مند اور نیک کاموں کی رغبت دینے والا اور برائی کے کاموں سے روکنے والا مواد ہی شامل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو سیرت نگاری اول سے لے کر آخر تک ''ادب'' ہی ہے۔ اس لئے کہ اس کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ فن سیرت نگاری کا ارتقا دراصل اسوۂ حسنہ کی اتباع اور اطاعت کے نیک جذبات کے تحت عمل میں آیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ (۱۰)
>
> البتہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوۂ حسنہ (عمل کا قابل تقلید نمونہ) ہے، اس شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن ملنے کی امید رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہے۔

تاہم ماہرین نے موضوع کی عمدگی اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ادب کے لئے اس کی پیش کاری (یا Presentation) کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ اس طرح گویا ''ادب'' وہ ہے جو ایک اچھی بات کو (ایک) عمدہ اور اچھے طریقے سے دوسروں تک پہنچا دے۔ مسلمان ادیبوں نے ''ادب'' یا مضمون کی پیش

E.q mar os\Alser

کاری کو جانچنے کے لئے علم فصاحت و بلاغت اور علم البدیع کے علوم ایجاد کئے جن کے تحت ایک معیاری اور ایک غیر معیاری ادب میں فرق کیا جا سکتا ہے۔

جب ہم اچھے اور معیاری ادب کی بات کرتے ہیں تو ہماری نگاہیں ایک مرتبہ پھر وحی الٰہی کے تحت تشکیل پذیر ہونے والے ادب عالی کے نمونوں کی طرف اٹھ جاتی ہیں، یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے معیاری ادب انبیاؑ نے ہی پیش کیا۔ قدیم آسمانی صحیفے خصوصاً مزامیر حضرت داود اور امثال سلیمان قدیم ادبی تاریخ کے شہ پارے تصور ہوتے ہیں اور متاخر زمانے میں قرآن حکیم کا نزول پاکیزہ اور اعلیٰ ترین ادب کی رہتی دنیا تک نا قابل بیان اور نا قابل تقلید مثال ہے۔ یہ کتاب مبین ادب عالی کا ایک ایسا نمونہ ہے جسے سن کر عرب کے بڑے بڑے شعرا اور ادیبوں نے شعر گوئی چھوڑ دی اور ساری دنیا کے جن و انس مل کر بھی اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو اس کے معانی و افکار کا یہ عالم ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے لے کر اب تک اس کا مطالعہ جاری ہے، مگر اس کے کسی مفسر و شارح نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے علوم قرآن کا کما حقہ احاطہ کر لیا ہے۔ تو دوسری طرف اس کے لئے الفاظ و کلمات اور جملوں کا انتخاب اور ان کا باہمی ارتباط ایسا ہے کہ انسانی عقل اس کے سامنے طفل مکتب ہو کر رہ جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس میں اجمال بھی ہے اور تفصیل بھی۔ اس میں گزشتہ قوموں اور انبیاؑ کے واقعات، ان کے قصے اور ان کے تذکرے بھی ہیں اور آئندہ زمانوں میں وقوع پذیر ہونے والے حالات و وقائع اور حوادث عالم بھی اس میں مادی دنیا کی ساری سچائیاں سائنسی اور علمی حقیقتیں بھی ہیں اور عالم روحانی و کائنات معنوی کے حقائق و معارف بھی، اس میں فلسفہ و حکمت کے تابندہ اصولوں کا تذکرہ بھی ہے اور شریعت و طریقت کا ذکر و بیان بھی۔ الغرض اس میں انسانوں کی موجودہ زندگی سے متعلق تمام حقیقتیں بھی پوری تابانی کے ساتھ موجود ہیں اور آنے والی دنیا کی ساری بصیرتیں اور روشنیاں بھی اس میں موجود ہیں، اس لئے اس سے بہتر ادب کا نمونہ اور کونسا ہو سکتا ہے۔

علم البدیع کے ماہرین کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ قرآن حکیم کے بعد ادب عالی کا سب سے عمدہ اور سب سے معیاری نمونہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات ہیں، ایسا کیوں نہ ہوتا آپ کی سب سے فصیح قوم قریش میں ولادت ہوئی اور بنو سعد میں آپ نے پرورش پائی۔ پھر قدرت نے

اپنے پاکیزہ ہاتھوں سے آپ کی تربیت فرمائی، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اَدَّ بَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ۔

یعنی میرے رب نے میری تربیت کی اور بہت اچھی تربیت کی۔ اس لئے آپ ﷺ "افصح العرب والعجم" بلکہ افصح البشر تھے۔ عرب کے بڑے بڑے شاعر اور خطیب آپ ﷺ کی گفتگو اور آپ ﷺ کے کلام مبارک کو سن کر مسلمان ہو جاتے تھے، چنانچہ جب طفیلؓ بن عمرو نے آپ ﷺ کے خطبے کے چند حصے سنے تو ان کا دل موم ہو گیا اور انہوں نے قریش مکہ کی تمام تر مخالفت وعداوت کے باوجود اسلام قبول کر لیا۔ (۱۱) سچ تو یہ ہے کہ زبانِ اقدس سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ ہزاروں دواوین اور سینکڑوں کتابوں پر بھاری ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو احادیثِ نبوی ﷺ کی صورت میں ادبِ عالی کا ایک دوسرا نمونہ فراہم ہوا۔ (۱۲) اور یوں حضرت ابراہیمؑ کی دعا نے شرفِ قبول حاصل کیا۔ جنہوں نے بارگاہِ الٰہی میں لجاجت کے ساتھ عرض کیا تھا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِکَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُزَکِّیْهِمْ۔

اے ہمارے رب۔ ان میں ایک رسول بھیجئے جو انہی میں سے ہو (اور جو) ان پر تیری نشانیاں پڑھے، انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور ان کا تزکیہ نفس کرے۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک حدیثیں جن قدسی لوگوں نے سنیں انہوں نے ان باتوں کا نور خود آپ ﷺ کے الفاظ وکلمات میں محفوظ رکھا، یوں حدیث مبارکہ کی روایت کے لئے لاکھوں مسلمانوں کے دل ودماغ اور ان کے ذہنوں نے قلم وقرطاس کا کام کیا۔ علم وحکمت کا یہ انمول خزانہ کتبِ حدیث میں ہمیں مدون صورت میں نظر آتا ہے۔

۳۔ سیرت نگاری کا ارتقا

جہاں تک سیرت نگاری میں ادبی پہلو کا تعلق ہے تو ابتداً یہ کہا جا سکتا ہے، کہ قریب قریب دنیا بھر کی زبانوں میں سیرت نگاری نے اپنا ایک خصوصی منہج واسلوب پیدا کیا ہے۔ جس میں اعلیٰ وارفع مضمون کے ساتھ ساتھ پیش کاری کی عمدگی والی بات بھی عمدہ اور احسن طریقے پر موجود ہے۔

os\Alser

علمائے ادب نے ادب کو "نظم ونثر" کی دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ جہاں تک سیرت نگاری کا تعلق ہےتو سیرت نگاری کے لئے ماہرین نے ہمیشہ ان دونوں طریقوں اور ذریعوں کا ہی استعمال کیا ہے۔

جہاں تک نظم کا تعلق ہےتو نظم میں سیرت طیبہ کے پیش کرنے کی مثالیں اور اس کے نمونے ابتدائی دور بلکہ عہد نبوی ﷺ ہی سے موجود ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جناب ابو طالب (۱۴) کے قصائد کےعلاوہ متعدد مدنی شعرا حضرت حسانؓ بن ثابت ،حضرت عبداللہؓ بن رواحہ، حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت کعبؓ بن زہیر کے قصائد اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔(۱۵) تاہم بعد کے ادوار میں بھی بڑے بڑے عمدہ قصائد اور مجموعے مرتب اور مدون کئے گئے جن میں سے البوصیریؒ کا قصیدہ بردہ اس کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کےعلاوہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کے اہم واقعات کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مؤرخین نے صراحت کی ہے کہ سیرت کی سب سے بنیادی اور مشہور کتاب یعنی سیرت ابن ہشام کو نظم میں تین افراد نے پیش کیا: جن میں سے ابونصر فتح بن موسیٰ، الخضر اوی القصری (م ۶۶۳ھ/۱۲۶۴ء)، عبدالعزیز بن احمد المعروف سعد الدیرینی (م ۶۹۷ھ/ ۱۲۹۷ء) اور اسحاق الانصاری التلمسانی۔ مؤخر الذکر نے اُسے لام کے قافیے پر مرتب کیا۔(۱۶) لیکن چونکہ یہ تمام کتابیں دست بردزمانہ کا شکار ہو چکی ہیں، اس لئے ان کے متعلق مثبت یا منفی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، تاہم اس میں شک نہیں کہ عربی سمیت دنیا کی بہت سی زبانوں میں "سیرت نگاری" نظم وغیرہ کی صورت میں کی جاتی رہی ہے۔ خصوصا برِ اعظم پاک و ہند میں اس کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے، اس سلسلے میں نامور اردو شاعر الطاف حسین حالی کی مسدس (مدو جزر اسلام) اور حفیظ جالندھری کے شاہنامہ اسلام اور علامہ اقبال کی بعض نظموں کو بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ جن کا ادبی پہلو، اپنے موضوع اور مضمون کی طرح پختہ اور محکم ہے۔

۴۔ نثری سیرت نگاری

تاہم چونکہ سیرت نگاری کا اصل میدان نظم کے بجائے نثر ہے، اس لئے نثر میں جو سیرت نگاری کی گئی ہے، اس کا ادبی پہلو سے جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ اس سلسلے میں ہم عربی اور اردو زبانوں میں مرتب شدہ مواد کو پیش نظر رکھیں گے۔

ا۔ ابتدائی دور

دوسرے علوم وفنون کی طرح سیرت نگاری کے فن کو بھی قرآن مجید کے فکری اور ادبی انداز سے رہنمائی ملی۔ قرآن حکیم میں سیرت نگاری کا جو اسلوب اور انداز اپنایا گیا ہے، افسوس کہ اُس پر اہل علم نے کچھ زیادہ توجہ نہیں دی۔ حالانکہ اُس کی آیات میں انبیا کی سیرت نگاری کے لئے عموماً اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات وواقعات کے لئے خصوصاً جو منہج اپنایا گیا ہے قرآن مجید کے دوسرے معجزانہ پہلوؤں کی طرح وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح قرآن حکیم نے اپنے مخصوص انداز سے دنیا کے دوسرے علوم وفنون کو ایک نیا رنگ اور جدید آہنگ عطا کیا۔ اُسی طرح اُس نے ''سیرت نگاری'' کا بھی ایک جچا تلا اور ایک مخصوص انداز متعارف کرایا۔ قرآن حکیم نے مختصر مگر جامع ترین انداز سے جس طرح واقعات کو بیان کیا اور جس طرح جچے تلے انداز میں حالات وواقعات کی منظر نگاری کی، وہ سیرت نگاری کے میدان میں بے مثل اور بے مثال ہے۔ غیر ضروری تفصیلات اور غیر متعلقہ باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن حکیم میں اصل واقعات کو نہایت خوب صورت اور نفیس طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں اگر ''سیرت نگاری'' کا اسلوب دیکھنا ہو تو انبیا سابق کی سیرتوں کے ضمن میں سورہ یوسف اور سورۃ القصص کا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے سلسلے میں سورہ النجم اور سورۃ الضحیٰ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اول الذکر یعنی سورۃ النجم میں قرآن حکیم نے ایک معروف روایت کی رو سے واقعہ معراج کا تذکرہ کیا ہے۔ سبحان اللہ، اس کے لئے کیا خوب انداز اور کیا عمدہ اسلوب اپنایا گیا۔ یہ ایسا اسلوب ہے کہ انسانی الفاظ اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس مقام پر سفر معراج کا، جو ایک پراسرار سفر ہے تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ موتیوں کا ایک ہار پرو دیا گیا ہے۔ مفہوم اور معنی کا یہ عالم ہے کہ ''عالم ہوش ربا'' کی گویا منظر نگاری کی جا رہی ہے۔ پیغمبر ﷺ کے سفر کی انتہا کے لئے فرمایا:

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ (۱۸)

پھر دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم کا۔

جب پیغمبر ﷺ عالم لاہوت میں بارگاہ قدسی میں پیش ہوئے تو شاہد ومشہود اور طالب ومطلوب کے مابین جو منظر تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ (۱۹)

نہ تو نگاہ کج ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔

اور پھر جب عابد و معبود کے مابین جو گفتگو کا سلسلہ تھا وہ اختتام کو پہنچا تو اس کی ترجمانی کے لئے

فرمایا:

لَقَدْرَایٰ مِنْ آیَاتِ رَبِّہِ الْکُبْریٰ۔ (۲۰)

آپ ﷺ نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیاں دیکھیں۔

سبحان اللہ...... اس طرح کا زندہ و جاوید، روح پرور اور دل نواز اسلوب اختیار کرنا کلام الٰہی ہی کو زیب دیتا ہے۔ تاہم قرآن حکیم کے اس اسلوب نے مسلمانوں کے فکر و فن پر اثر ڈالا اور اُس کے تحت مسلمانوں نے جس طرح اپنے علوم و فنون کو ترقی دی، یہ موضوع انتہائی دل چسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔

جہاں تک ''فن سیرت نگاری'' کا تعلق ہے تو ایک طرف مسلمان قرآن حکیم کے فصاحت و بلاغت کے اسلوب سے متاثر تھے تو دوسری طرف ابتدائی دور کے مسلمان اپنے دور کے انتہائی فصیح و بلیغ لوگ تھے۔ ان قدسی صفات لوگوں کی زبانیں فصاحت و بلاغت کا منبع اور ان کے دل فطری انداز بیان کا مخزن تھے۔ یہ لوگ کھلے ماحول اور آزاد معاشروں کے باسی تھے، اکثر و بیشتر سفر کرتے اور دوسرے قبیلے کے لوگوں سے ملاقات کرتے۔ اس لئے ان لوگوں کی زبان اور ان کے انداز بیان میں انتہائی نکھار اور سلجھاؤ پیدا ہوگیا تھا۔ یہ لوگ سیدھے سادھے انداز میں اظہار خیال کرتے اور جب کسی کا وصف کرتے اور اس کے متعلق لوگوں کو بتاتے تو انتہائی مختصر اور جامع انداز اختیار کرتے، چنانچہ ''سیرت طیبہ ﷺ'' کا ابتدائی مواد انہیں لوگوں نے مرتب کیا اور اس فن کی باقاعدہ ابتدا کی۔

ب۔ فن سیرت نگاری کی ابتدا

خدا جانے مستشرقین نے یہ بات کس بنا پر کی ہے کہ سیرت نگاری کی ابتدا دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوئی۔ اس میں شک نہیں کہ ان صدیوں میں ''سیرت طیبہ ﷺ'' پر اعلیٰ پائے کی کتابیں تصنیف و تالیف کی گئیں، لیکن جہاں تک اس فن کی تاسیس کا تعلق ہے تو یہ اُسی روز ہوگئی تھی جس روز آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تھا۔ چنانچہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے اور اپنی اہلیہ قدسیہؓ کے سامنے اپنی گھبراہٹ کا اظہار فرمایا تو انہوںؓ نے آپ ﷺ کی تسلی و تشفی کے لئے فرمایا،

کلاَّ واللّٰہ لا یخزیک اللّٰہ ابداً انکَ لتصل الرحم و تحمل
الکلَّ و تکسبُ المعدوم و تقری الضیف و تعین علیٰ نوائب

os\Alser

الحق۔(۲۱)

ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے، مقروض کا بوجھ اٹھاتے، ضرورت مند کو کما کر دیتے، مہمان نواز اور مصائب زدہ لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں۔

درحقیقت امّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے ان الفاظ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سالہ مکی زندگی کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کیا ہے، مگر ام المومنینؓ کا انداز اور اسلوب ملاحظہ فرمایئے کہ آپؓ نے کس طرح دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ پھر الفاظ کا انتخاب اور جملوں کی بندش ایسی ہے کہ اُس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرت طیبہ ﷺ پر آج تک جتنی بھی کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، ان میں سے کوئی کتاب بھی ان الفاظ کی خوشبو سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے خیال میں المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ دنیا کی پہلی سیرت نگار ہیں، جنہوں نے جچے تلے انداز میں سیرت نگاری کی ابتدا کی۔

پھر جوں جوں اسلام کا نور پھیلتا گیا اور لوگ اسلام قبول کر کے دنیا و آخرت کی سعادتوں کو اپناتے رہے، سیرت نگاری کا یہ ذوق عام ہوتا چلا گیا۔ اسلام قبول کرتے ہی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان کے دل و دماغ کو فتح کر کے ان کے کردار اور اخلاق کا رنگ بدل دیتی تھی۔ پھر یہ لوگ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اخلاق و شمائل، عادات و خصائل، آپ ﷺ کے اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے کے انداز اور دوسری باتوں کو اپنی گفتگو کا موضوع بناتے اور دوسرے لوگوں میں اس کا تذکرہ کرتے۔ یوں اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ''سیرت نگاری'' کا فن بھی ترقی کرتا چلا گیا۔ چونکہ یہ لوگ پیدائشی طور پر شاعر اور خطیب تھے، اس لئے جو بات کرتے بڑے سلیقہ سے کرتے تھے۔ اس لئے ''سیرت نگاری'' اور شمائل نگاری میں ان کا انداز بیان پختہ اور موثر ہوتا۔ چنانچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ان کے صاحب زادے ابو ہالہؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوعبیدہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ جس طرح اسلام لانے میں پیش پیش تھے، اسی طرح ان حضرات نے سیرت نگاری میں بھی اپنی ''قدامت'' کی شان برقرار رکھی، جبکہ انصار مدینہ میں سے حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت ابورافعؓ، حضرت براءؓ بن عازب، حضرت ابوموسیٰؓ اور سب سے زیادہ حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ''سیرت نگاری'' میں نام پیدا کیا۔ یہ تمام لوگ فصاحت و بلاغت کا مجسمہ تھے، اس لئے انہوں نے سیرت نگاری میں بھی فصاحت و بلاغت کے اصولوں کا پوری طرح خیال رکھا۔(۲۲)

E.p mar os\Alser

ان حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر جب بھی اظہار خیال کیا ایجاز و اختصار اور جامعیت کا ضرور خیال رکھا، اس لئے، ان حضرات کی ''سیرت نگاری'' مختصر ہونے کے باوجود بڑی جامعیت والی شان رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے اقوال کے مطالعہ کے لئے خود اہل زبان کو بھی ڈکشنری کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

ج۔ سیرت نگاری کا دوسرا دور

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین کا دور آیا تو ''سیرت نگاری'' کا یہ نور مزید پھیل گیا۔ اس دور میں اس عنوان پر باقاعدہ تصنیف و تالیف کی ابتدا ہوئی۔ چنانچہ (اس سلسلے میں متعدد تابعین کا جن میں مثال کے طور پر حضرت ابان بن عثمانؓ (۲۰۔۱۰۰ھ/۶۴۰۔۷۱۷ء) بروایت مغیرہ بن عبدالرحمان (۲۳) اور حضرت عروہ بن زبیر (۲۳۔۹۴ھ/۶۴۳۔۷۱۲ء)، (۲۴) جن کی مغازی کا مخطوط و مطبوع نسخہ موجود ہے، شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ/۷۴۰ء) (۲۵)، وہب بن منبہ (۳۴۔۱۱۰ھ/۶۵۴۔۷۲۸ء) (۲۶)، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ/۷۳۷ء)، (۲۷) معمر بن راشد، ابو معشر السندی اور ابن شہاب الزہری (م ۱۳۲ھ/۷۴۱ء) وغیرہ شامل ہیں، تاہم ان میں سے بیشتر حضرات کی کتابیں دست برد زمانہ کا شکار ہو گئی ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں۔

اس عہد میں سیرت نگاری کے فن میں کئی ایک جدتیں اختیار کی گئیں، جن کی ادبی اعتبار سے بڑی اہمیت ہے۔ ابتدائی زمانے میں ''روایت پسندی'' کی پابندی کی بنا پر بڑی سختی سے روایت کے الفاظ و کلمات کا خیال رکھا جاتا تھا اور ایک روایت کے الفاظ کو دوسری روایت کے الفاظ کے ساتھ مخلوط نہیں ہونے دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ علمی اور ادبی اعتبار سے تو بڑا مفید تھا، لیکن اس سے کسی واقعے کو سمجھنے اور اس کے متعلق کسی نتیجے تک پہنچنے میں بڑی دقت پیش آتی تھی، اس لئے اس زمانے میں کچھ تابعین نے جن میں امام ابن شہاب الزہریؒ پیش پیش تھے، یہ طریقہ کار اختیار کیا کہ مختلف روایتوں کو باہم ملا کر ایک روایت بنا دی جاتی تھی۔ اس علمی پیش رفت نے سیرت نگاری کو ایک نئی جدت دی اور اس فن نے ایک نئے میدان میں قدم رکھا۔ اس کے علاوہ پانچویں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے نامور تابعی حضرت عاصم بن عمر بن قتادہؓ (م ۱۲۱ھ/۷۳۸ء) کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ مسجد دمشق میں مغازی و مناقب پر درس دیا کریں۔ (۲۹) اس سے یقیناً اس فن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس میں عوامی رنگ پیدا ہونا شروع ہوا۔

E.p mar os\Alser

د۔ تصنیف وتالیف کا دور

تاہم اس میں شک نہیں کہ اب تک جو کچھ بھی تھا، وہ زیادہ تر زبانی و کلامی روایات کے مرہون منت تھا۔ اس دور میں جن حضرات نے تصنیفی وتالیفی مجموعے مرتب کئے تھے، وہ زیادہ تر اپنی معلومات اور اپنی یادداشت کے لئے تھے، مگر اب وقت آ گیا تھا کہ جو کچھ زبانی و کلامی طور پر روایت کیا جا رہا تھا اُسے کتابی صورت میں مدون اور مرتب کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف امام ابن اسحاق (۱۵۱ھ/ ۷۶۸ء) اور موسیٰ بن عقبہ کو عطا کیا۔ نامور ماہر کتابیات حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں لکھا ہے:

اوّل من صنف فيه الامام محمد بن اسحاق رئيس اهل المغازى (م ۱۵۱ھ/ ۷۶۰ء) یعنی سب سے پہلے اس عنوان پر محمد بن اسحاق نے جو اصحاب مغازی کے سردار تھے، کتاب مرتب کی۔

ان کی کتاب بھی وقت کے ہاتھوں ناپید ہوگئی ہے، تاہم ان کی کتاب کو محفوظ کرنے کی سعادت عبدالملک بن ہشام الحمیری (م ۲۱۸ھ/ ۸۳۳ء) کو حاصل ہوئی، جن کی کتاب ''سیرت ابن ہشام'' کہلاتی ہے۔ اور اپنی قدامت اور اپنے انداز بیان کے اعتبار سے دنیائے سیرت میں ایک ممتاز اور منفرد مقام کی حامل ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر علامہ عبدالرحمان السہیلی (م ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء) اور علامہ بدرالدین محمود ابن احمد العینی (م ۸۵۱ھ/ ۱۴۴۷ء) وغیرہ، نے اس کی شرح لکھی۔ ابن ہشام کے بعد متعدد لوگوں نے اس عنوان پر مزید تحقیق کی اور اس عنوان کو بڑا قبول عام حاصل ہوگیا۔ (۳۱) اس فہرست میں اس دور کے دوسرے دو سیرت نگار بھی قابل ذکر ہیں۔ جن میں ایک الواقدی اور دوسرے اس کے شاگرد ابن سعد ہیں۔ مؤخرالذکر کی طبقات ابن سعد بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

اس تفصیل میں ہمارے مطلب کی بات یہ ہے کہ اس دور میں تصنیف وتالیف کا کام جو بھی تشکیل پذیر ہوا وہ اگرچہ روایت کے اصولوں کے تحت مرتب کیا گیا، مگر اس دور کی کتابوں میں ''سیرت نگاری'' فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین اصولوں کی پاسداری موجود تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن ہشام کے مستند شارح علامہ عبدالرحمٰن السہیلیؒ نے ''سیرت ابن ہشام'' کے مشکل الفاظ کی تشریح کو مستقل طور پر اپنایا ہے۔

بعد کے زمانے میں اگرچہ ''سیرت نگاری'' کا فن اپنے اسی لگے بندھے طریقے سے جاری رہا،

مگر پھر بھی بہت سی کتابیں ایسی مرتب کی گئیں جن کو بعد کے زمانے میں بہت اہمیت حاصل ہوئی۔ جن میں سے مثال کے طور پر القسطلانیؒ کی ''المواہب'' اور الحلبی کی سیرت الامین المامون وغیرہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے، اس تمام بحث کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ عربی زبان میں سیرت نگاری کی ابتدا جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے فرمائی جن کا کلام ادب عالی کا بہترین نمونہ ہے۔

۲۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جب اس عنوان پر تصنیف و تالیف کا آغاز ہوا تو ''سیرت نگاری'' نے ایک نئے دور میں قدم رکھا۔

۳۔ ''سیرت نگاری'' کو ادبی اعتبار سے ہر عہد کا ترجمان قرار دیا جا سکتا ہے، مختصر طور پر یہ کہ ''سیرت نگاری'' نے بجائے خود ایک مخصوص قسم کا ادب پیدا کیا۔ یہ ادب خود کفیل ہے، اس میں نظم بھی ہے اور نثر بھی۔ دونوں کا خصوصاً عہد قدیم کے بزرگوں کے اقوال کا علمی او ر ادبی پایہ بہت اعلیٰ ہے۔

۴۔ اس عنوان پر خصوصاً عربی میں جو کام ہوا اس کے ادبی پہلوؤں پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

اردو میں سیرت نگاری کا ارتقا اور اس کے ادبی پہلو

اردو زبان دنیائے اسلام کی ان زبانوں میں سے ایک ہے جن کی عمر تو بہت چھوٹی ہے مگر وہ مواد او ر تصانیف کے اعتبار سے دنیا کی سب سے مقبول اور با ثروت زبانوں میں سے ایک ہے۔ اس کلیے کا اطلاق سیرت نگاری پر بھی ہوتا ہے۔ باوجود اپنی مختصر عمر کے اس زبان میں فن سیرت پر ایسی معیاری کتابیں تصنیف و تالیف کی گئیں جن کی مثال عربی سمیت کسی اور زبان میں موجود نہیں ہے۔

اردو زبان میں معیاری کتب سے پہلے بے شمار مولود نامے اور نور نامے وغیرہ مرتب کیے گئے۔ جن میں موضوع اور کمزور روایات کی بھرمار ہوتی تھی، جس کی سید سلیمان ندوی مرحوم نے سات وجوہ گنوائی ہیں۔ (۳۴) بہر حال وجوہ خواہ کچھ تھیں۔ ان مولود ناموں یا نور ناموں وغیرہ نے ہندوستان میں سیرت نگاری کے لئے موزوں ماحول تیار کیا، جس کے بعد یہاں بڑی معیاری کتابیں مرتب اور مدون کی گئیں۔

یہاں تصنیف کی جانے والی کتب سیرت میں سے سیکڑوں کتابوں کے نام آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کا معیار اور ان کا انداز تحقیق بھی محل نظر ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ مولود ناموں اور نور

E.y mai os\Alser

ناموں کی قسم کی کتابوں نے ایک خاص ادبی ماحول پیدا کیا۔ چونکہ یہ کتابیں محافل میلاد میں پڑھی اور سنی جاتی تھیں، اس لئے ان کا انداز بیان بڑا منفرد، الفاظ عمدہ اور جملوں اور الفاظ کی ترکیبیں بہت موزوں ہوتی تھیں۔(۳۲) اور ان کتابوں اور رسائل نے نہ صرف یہ کہ سیرت کے موضوع سے عوام کی دلچسپی کو بڑھایا، بلکہ ان تصانیف نے ان کے لکھنے والوں اور سننے والوں کو ادبی تربیت بھی مہیا کی، اس لئے یہاں یہ رواج پیدا ہوا کہ ہر ایک ادبی اور افسانوی کتاب کی ابتدا حمد اور نعت سے کی جاتی تھی۔ اس فہرست میں مولانا عبدالحلیم فرنگی محلیؒ (م ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء) امام بخش ناسخ لکھنوی (مولود شریف، تالیف ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء) ،نواب محسن الملک (تالیف ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء رسالہ میلاد شریف) رسالہ مولوی غلام امام شہید الہ بادی (مولد شریف شہید) حکیم احسن امروہی (میلاد شریف، تصنیف ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء)، نواب صدیق حسن خان (الشمامۃ العنبر یہ، تالیف ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء) مولانا اشرف علی تھانوی (اور میلاد النبی، تالیف ۱۳۳۱ھ) خواجہ حسن نظامی (میلاد نامہ اور رسول نبی، مطبوعہ ۱۹۳۲ء) مولانا ابوالکلام آزاد (ذکریٰ، مقالہ ۱۹۲۵ء) مولانا عبدالشکور لکھنوی (تحفہ عنبریہ، ۱۲۹۷ھ/ ۱۹۷۶ء) مولانا مناظر احسن گیلانی اور دوسرے اہل قلم شامل ہیں۔ ان کتابوں کا ایک خاص ادبی انداز تھا، جس پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

تاہم جب اردو میں باقاعدہ طور پر ''سیرت نگاری'' شروع ہوئی اور اس عنوان پر مستند اور محقق کتابیں تصنیف و تالیف کی جانے لگیں تو ان میں بھی ''ادبی پہلو'' کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اس قسم کی تصانیف میں محمد عنایت احمد کاکوری (۱۲۲۸۔ ۱۲۷۹ھ) کی کتاب تواریخ حبیب الہٰ، سرسید احمد خان (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) کی خطبات احمدیہ، علامہ راشد الخیری (۱۸۷۰۔۱۹۳۲ء) کی آمنہ کا لال، لکشمن پرشاد (۱۹۰۳۔۱۹۳۱ء) کی عرب کا چاند، مرزا حیرت دھلوی کی سیرت محمدیہ (تصنیف ۱۸۹۵ء) مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نشر والطیب، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء) کی رحمت للعالمین اور مولانا مناظر احسن گیلانی کی النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ جن میں سے ہر کتاب نے ایک خصوصی ادبی اور تحقیقی انداز متعارف کرایا۔ تاہم اردو میں جو شہرت اور ناموری علامہ شبلی نعمانی اور علامہ سید سلیمان ندوی کی ''سیرت النبی'' کے حصے میں آئی اور اس کتاب نے جس طرح نہ صرف اردو زبان بلکہ دوسری معاصر زبانوں کے ''سیرت نگاری'' کے ادب کو متاثر کیا۔ اس کی کوئی اور مثال موجود نہیں ہے۔

علامہ شبلی نے ''سیرت نگاری'' کے لئے جو ہلکا پھلکا ادبی اور تحقیقی انداز اپنایا اور جس کا ان کے شاگرد رشید علامہ سلیمان ندوی نے اتباع کیا اس نے اس میدان پر بڑے دور رس اثرات و نتائج پیدا کئے ہیں۔ پھر علامہ شبلی نعمانی کا اسلوب عالمانہ ہونے کے باوجود سادہ اور دل کش ہے۔ اس میں قوت، جوش، خود اعتمادی، برتری، صلاحیت، متانت و ایجاز و اختصار، برجستگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔

اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی کی کتاب خطبات مدراس بھی سیرت النبی ﷺ کے عنوان پر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ پھر چوہدری افضل حق (۱۸۹۱۔۱۹۴۲ء) کی محبوب خدا، علامہ نور محمد (۱۹۴۸ء) کی سیرت رسول عربی اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خطبات بہاول پور وغیرہ کتب بھی ادبی اور علمی پہلو سے بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ (۳۳)

آخر میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کی مرتب کردہ کتاب سیرت خیر الانام ﷺ، کا تذکرہ بھی مناسب ہوگا جس کی تصنیف و تالیف نامور محقق اور ادیب ڈاکٹر سید عبداللہ کی نگرانی میں ہوئی اور جس کی تصنیف و تالیف میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سمیت پاکستان اور بیرون پاکستان کے بہت سے اہل قلم نے حصہ لیا۔ اس کی اشاعت ثانیہ کی نگرانی خاکسار کے حصے میں آئی، یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے سیلز ڈپو سے دستیاب ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ابتدائی زمانے میں ''نعت گوئی'' اور سیرت نگاری نے ایک ساتھ سفر شروع کیا۔ اس لئے ابتدائی دور میں دونوں میں فرق کرنا مشکل ہے۔

۲۔ البخاری۔ ۸/۳۷۷ (کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ ابی لہب)، حدیث ۴۹۷۱۔

۳۔ ایضاً

۴۔ البخاری۔ ۷/۱۷۳ (کتاب المناقب)، باب ۲۳، حدیث ۴۹۳۲،

۵۔ ابن ہشام ''سیرت'' ۱/۳۸۴۔۳۸۵،

۶۔ البخاری ۸/۳۷۷ (کتاب التفسیر، سورۃ ۷۴، المدثر)، حدیث ۴۹۳۲

۷۔ البخاری۔ ۸/۳۷۳ (کتاب التفسیر۔ سورۃ ابی لہب، ۱۱۱)، حدیث ۴۹۷۱،

۸۔ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، التفسیر المظہری، ۱۰/۳۵۱، (تفسیر سورۃ الکوثر)

۹۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، ۱:۹۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت

os\Alser

۱۰۔ الاحزاب (۲۱/۳۳)
۱۱۔ ابن ہشام، السیرۃ، ۱/۳۸۲۔۳۸۵، مطبوعہ مکتبۃ العلمیہ، بیروت۔
۱۲۔ تفصیل کے لئے دیکھئے زیات تاریخ ادب العربی (باب اول)
۱۳۔ البقرہ (۱۲۹/۲)
۱۴۔ دیکھئے ابن ہشام، السیرۃ، ۱/۲۷۲۔۲۸۰
۱۵۔ ایضاً، ۳/۸۔۱۰، ۱۱، ۱۴، ۱۶، ۱۹، ۲۱، ۲۲، ۲۵، ۷۹، ۸۱، ۸۹ اوغیرہ۔
۱۶۔ حاجی خلیفہ 'کشف الظنون' ۲/۱۰۲، مطبوعہ استانبول۔
۱۷۔ دیکھئے ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسول، علامہ اقبال اکادمی، پاکستان با مداد اشاریہ،
۱۸۔ النجم (۹/۵۳)
۱۹۔ النجم (۱۷/۵۳)
۲۰۔ النجم (۱۸/۵۳)
۲۱۔ البخاری۔ ۱/۱۲ (بدؤ الوحی) حدیث ۵۔
۲۲۔ ان تمام حضرات کی روایات مختلف کتب سیرت، خصوصاً کتب شمائل میں دیکھی جاسکتی ہیں۔
۲۳۔ ابن سعد، الطبقات، ۵/۱۵۶۔
۲۴۔ حاجی خلیفہ: کشف الظنون ۲/۱۷۴۷ (وقیل اول من صنف فیه عروه بن الزبیر)
حضرت عروہ کی المغازی کا اردو ترجمہ ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کر دیا ہے۔
۲۵۔ کشف الظنون، ۲/۱۷۴۷۔
۲۶۔ ایضاً،
۲۷۔ ڈاکٹر محمود الحسن، عربوں میں تاریخ نگاری کا ارتقا، ص ۶۲،
۲۸۔ کشف الظنون، ۲/۱۷۴۷
۲۹۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مقالہ، سیرت نگاری۔
۳۰۔ کشف الظنون، ۲/۱۰۱۲
۳۱۔ کشف الظنون، ۲/۱۰۱۲،
۳۲۔ سیرت النبی ﷺ، ۳/۷۴۹۔۷۵۸۔
۳۳۔ ڈاکٹر انور محمود خالد کتاب مذکور (پانچواں اور چھٹا باب)